پروفیسر رشید احمد

قرآنی نظریۂ مملکت

(۲)

۴- اصلاحِ معاشرہ۔ خلافت کا ایک اور فرض اصلاح معاشرہ ہے جس معاشرے میں امن وامان ہو اور عدل وانصاف کی سختی سے پابندی کی جاتی ہو وہ بہت حد تک سدھرا سدھرایا معاشرہ ہوگا۔ لیکن قرآن مجید مزید اصلاح کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ اسلامی مملکت میں بسنے والوں میں اخوت ومساوات کے تعلقات دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن ان تعلقات کے قیام کے لیے محض پند ونصائح پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ باہمی تنازعات کی جتنی بھی جڑیں ہیں ان میں سے ایک ایک کو کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ اتحاد کی راہ میں باہمی قتل وغارتگری معاشرے کے نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے قتل کو بدترین گناہ قرار دیا ہے۔ اور قتل کی جتنی بھی قسمیں ہوتی ہیں ان سب کی الگ الگ ممانعت کر دی ہے۔ ایک موقعہ پر فرمایا ہے۔ لاتقتلوا انفسکم (اپنی جانوں کو قتل نہ کرو) گویا کہ ایک شخص کا دوسرے کو قتل کرنا خودکشی کے ارتکاب کے مترادف ہے۔ ایک جگہ اور ہے کہ لاتقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ (جس جان کو اللہ تعالیٰ نے محترم کیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو) اہل عرب فقر وفاقہ کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے اس حرکتِ بد سے بھی منع کیا کہ لاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاق (اپنی اولاد کو محتاجی کے ڈر سے قتل نہ کرو) قتلِ اولاد کو گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے ان قتلھم کان خطأً کبیرا (اولاد کا قتل بہت بڑا گناہ ہے) عرب کے بعض قبائل میں حفظِ ناموس کی خاطر دخترکشی بھی عام تھی اس سے نہایت عمدہ طریقہ سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ان بے گناہ مقتول بچیوں سے سوال کیا جائے گا۔ بای ذنب قتلت (کہ تم کس گناہ میں قتل کی گئی تھیں)۔ مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنے کے متعلق شدید وعید ہے۔ من یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔ (جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی سزا دوزخ ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اللہ کا اس

پر غضب ہوگا اور اس کی لعنت ہوگی اللہ نے اس کے لیے بڑا بھاری عذاب تیار کیا ہے)۔

قرآن مجید کی اگرچہ بنیادی تعلیم یہ ہے کہ افراد اپنی آزادی معاشرے کی اصلاح پر قربان کر دیں لیکن اس کے ساتھ انسانی فطرت کے پیش نظر قتل کا قصاص لینے کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے بلکہ اسے فرض قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا ہے۔ یٰا ایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ (اے ایمان والو تم پر مقتول کے خون کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے۔ ایک اور موقعہ پر قصاص کو زندگی کا ذریعہ بتلایا ہے ولکم فی القصاص حیوٰۃ یٰا اولی الالباب (اے عقل مندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے) دوسری طرف انسداد خونریزی کے خیال سے فرد واحد کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے۔ فرمایا ہے

من قتل نفساً بغیر نفس
قتل الناس جمیعاً و من احیاھا
فکانما احیاء الناس جمیعاً۔

جس شخص نے کسی دوسرے شخص کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کیا گویا کہ اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے کسی ایک شخص کو موت کے منہ سے بچایا گویا کہ پوری انسانیت کو بچا لیا۔

ان تمام اخلاقی بندشوں اور عذاب اخروی کی تہدید کے باوجود کوئی شخص قتل کا ارتکاب کر ہی بیٹھے تو قتل کی سزا بھی تجویز کی گئی ہے۔ النفس بالنفس جان کے بدلے جان لی جائے گی اور اس میں چھوٹے بڑے، امیر و غریب، شاہ و گدا، آزاد اور غلام کی تمیز نہیں کی جائے گی۔ الحرّ بالحرّ والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ لیکن مقتول کے ورثار کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ قاتل سے فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ ہی کے معاف کر دیں اس کو اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت بتلایا ہے۔ ذالک تخفیف من ربکم و رحمۃ (یہ کمی ہے تمہارے رب کی جانب سے اور رحمت ہے) قاتل سے فدیہ یا بغیر فدیہ کے درگزر کرنے کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ فرمایا ہے کہ ایسا کرنا تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ مقتول کے ورثار دیت پر رضامند ہو جائیں تو قاتل کو چاہیئے کہ دیت کی ادائیگی میں لیت و لعل سے کام نہ لے اور نہایت حسن و خوبی کے ساتھ اس کی ادائیگی کر دے۔ حکم دیا ہے

فمن عفی لہ من اخیہ شیءٌ
فاتباعٌ بالمعروف واداءٌ
الیہ باحسان۔

پھر جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے پس اس کو خوبی کے ساتھ پیروی کرنا ہے اور اس کو خوبی کے ساتھ دیت ادا کرنا ہے۔

پھر مقتول کے ورثاء کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ دیت وصول کرنے کے بعد قاتل کو پریشان نہ کریں اور اگر ایسا کریں گے تو وہ دردناک عذاب کے مستحق ہوں گے۔ فمن اعتدیٰ بعد ذالک فلہ عذاب الیم۔ (جو شخص اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا تو اس کو دردناک عذاب دیا جائے گا)۔

قتل بالخطا کے متعلق قرآن مجید کا حکم ہے کہ اگر مقتول اسلامی مملکت کا باشندہ ہو خواہ مسلم ہو یا کافر تو دیت ادا کرنے کے علاوہ کسی مسلمان غلام یا لونڈی کو بھی آزاد کرے۔ کسی کے پاس مسلمان غلام یا لونڈی نہ ہوں یا ان کی مقدرت نہ رکھتا ہو تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ اگر مقتول دارالکفر کا رہنے والا مسلمان ہو تو ایسی صورت میں دیت دینے کی ضرورت نہیں البتہ مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا یا بصورت دیگر دو ماہ لگاتار روزے کا رکھنا ضروری ہے۔

قرآن کریم نے مار پیٹ اور جھگڑوں میں جو چوٹیں آجاتی ہیں ان میں بھی قصاص لینے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ والجروح قصاص کہ زخموں کا بھی بدلہ ہوا کرتا ہے۔

قتل کی یہ تمام سزائیں یا دیت کی لین دین خلیفہ یا اس کے نائب کی زیر نگرانی انجام پائیں گی۔

معاشرہ کے نظام کو تباہ و برباد کر دینے والی دوسری چیز بغاوت، لوٹ مار اور ڈاکہ ہے جن کی وجہ سے اصلاح کی تمام کوششیں رائگاں ہو جاتی ہیں۔ قرآن مجید اسلامی حکومت کو ایسے لوگوں سے نپٹنے کے لیے وسیع اختیارات دیتا ہے اور ان کے لیے سخت سزائیں تجویز کرتا ہے فرمایا ہے:

انما جزاؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہٗ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔	ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کے لیے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں بس یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں آمنے سامنے کے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔

سربراہ مملکت کو ڈاکوؤں وغیرہ کے لیے ان چار میں سے کوئی ایک سزا دینے کا اختیار رہے (۱) قتل (۲) پھانسی (۳) ہاتھ پیر کاٹنا (۴) جلاوطنی۔ یہ باغی اگر اسلامی حکومت کی فوج کشی سے پہلے ہی تائب ہو کر ہتھیار ڈال دیں تو انہیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا	اگر تمہارے ان پر قابو پانے سے پہلے وہ لوگ توبہ کر لیں۔

علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

چوری بھی معاشرتی نظام کو ابتر کر دیتی ہے۔ جس معاشرے میں چوریاں عام ہوں اس میں کسی اصلاحی کوشش کا بار پانا ممکنات میں سے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چند جرائم جن کی سزا قرآن مجید نے بتلائی ان میں سے ایک چوری بھی ہے۔ چوری کی سزا یہ بتلائی گئی ہے کہ:

والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالاً من اللہ۔ چور خواہ مرد ہو یا عورت ہو ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ بدلہ ہے اس چیز کا جو انہوں نے کیا اور اللہ کی طرف سے سزا ہے۔

کتنی رقم کے چرانے کو ہم سرقہ کہیں یہ چیز قرآن مجید نے اسلامی حکومت کے سربراہ کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے۔ اس امر کی البتہ وضاحت کر دی ہے کہ اگر مال سارق کے قبضے سے ضائع ہو جائے تو اس سے تاوان نہیں لیا جائے گا کیونکہ ہاتھ کا کاٹا جانا ہی چوری اور مال کے ضائع کر دینے کی سزا ہے۔ اگر مسروقہ مال اس کے قبضے میں ہو تو البتہ اس سے لے لیا جائے گا۔

معاشرہ کو تباہ و برباد کرنے والی ایک اور چیز فحاشی اور عیاشی ہے۔ جس معاشرے کے افراد میں زنا اور بدکاری عام ہو اس کی اصلاح کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن نے زنا پر اخلاقی اور قانونی دو طرح کی بندشیں عائد کی ہیں۔ اس کی خرابیوں کو گنوایا ہے۔ عذاب آخرت سے ڈرایا ہے لیکن اس کے باوجود کوئی شخص زنا کا مرتکب ہو ہی جائے تو اس کے لیے سزا مقرر کی ہے۔ جس کا اجراء اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ زنا کی ممانعت کے متعلق قرآن کریم میں بے شمار آیات ملتی ہیں جن میں اس کو بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا ہے۔ ولاتقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ و ساء سبیلا (زنا کے قریب بھی نہ بھٹکو بے شک زنا بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے) اللہ کے نیک بندوں کی صفات میں ایک صفت یہ بتلائی ہے۔ لایزنون (وہ زنا کا ارتکاب نہیں کرتے)۔ مسلمان عورتیں جو اسلام لائیں تو ان سے اس طرح عہد لینے کا سربراہِ مملکت کو حکم دیا گیا ہے لایسرقن ولایزنین ولا یقتلن اولادھن (کہ وہ چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی)۔ زنا کی سزا یہ بتلائی ہے کہ:

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ۔ زانی مرد اور زانی عورت میں سے ہر ایک کو سو سو درے لگاؤ۔

یہ بھی بتلایا گیا کہ سزا دینے یا درے لگانے میں کسی قسم کی نرمی نہ برتی جائے۔ اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ

درے سرِعام لگائے جائیں ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین (یعنی ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہو) لونڈیوں اور غلاموں کو نصف سزا دی جائے گی یعنی پچاس درے ہی لگائے جائیں گے۔ اتنی سخت سزا کے اجراء کے لیے قرآن نے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔ زنا کے لیے کم از کم چار عینی گواہ ہونے لازمی ہیں۔ فرمایا۔ فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم (ان بدکار عورتوں پر چار گواہوں کی گواہی لو)۔

قرآن مجید بہتان کے لیے بھی سزا بتلاتا ہے۔ بہتان محبت اور اخوت کی راہ میں ایک بہت بڑی چٹان ہے۔ جب تک آپس میں بہتان و افترا بازی کا سلسلہ جاری ہے۔ اخوت اور بھائی چارگی کا وجود ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید نے تنبیہ و تہدید کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ان کو دنیاوی ذلت اور اخروی عذاب سے ڈرایا گیا لیکن جو لوگ اس کے باوجود باز نہ آئیں ان کے لیے سزا متعین ہوئی ہے فرمایا ہے

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین اٰمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاٰخرۃ۔

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مومنین کے متعلق بے حیائی کی باتیں مشہور کر دیں تو ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

دوسری جگہ اس چیز کو اور زیادہ سخت الفاظ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

ان الذین یرمون المحصنٰت الغٰفلٰت المومنٰت لعنوا فی الدنیا والاٰخرۃ ولھم عذابٌ عظیم۔

جو لوگ پاکباز اور بے خبر مسلمان عورتوں پر بہتان باندھتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہوگی اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔

ایک اور جگہ بہتان طرازی کو "اثم مبین" کہا گیا ہے۔

اس کے باوجود کوئی شقی القلب اس حرکت سے باز نہ رہے تو اسلامی حکومت کو حکم دیا گیا ہے کہ ایسے شخص کو معاشرہ کی اصلاح کی خاطر سزا دی جائے۔ بہتان لگانے والوں کی سزا قرآن کریم نے یہ تجویز کی ہے:

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمٰنین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃً ابداً اولئک ھم الفاسقون

جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر اس پر چار گواہ نہ لائیں تو تم ان کو اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ اور یاد رکھو کہ یہی لوگ بدکار ہیں۔

گویا کہ جو شخص کسی پر بہتان باندھے گا تو اسلامی حکومت اس شخص کو سزا دینے سے پہلے اسے موقع دے

گی کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں چار چشم دید گواہ پیش کر دے تاکہ زنا کا الزام ثابت ہو جائے اگر وہ مقررہ وقت کے اندر ایسا نہ کر سکا تو اسے اسی کوڑوں کی سزا بھی دی جائے گی اور پھر اس کا نام گواہوں کی فہرست سے خارج بھی کر دیا جائے گا۔

قرآن کریم آخر آخر تک اصلاح اور درستگی کے مواقع دینا چاہتا ہے۔ بہتان لگانے والے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ان کے لیے بھی حکم ہے کہ:

الا الذین تابوا من بعد ذالك	لیکن اگر بہتان کرنے والے اس کے بعد توبہ کر لیں اور
واصلحوا فان الله غفور	راہِ راست پر آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا
رحیم ۔	اور بڑا رحم دل ہے۔

قمار بازی اور شراب خوری بھی معاشرہ کی ابتری کا باعث بنتے ہیں۔ قرآن کریم ان کو شیطانی کام قرار دے کر ان سے پرہیز کرنے کی تاکید کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ انسانی فلاح و بہبود بغیر ترک خمر اور میسر کے ممکن نہیں ہے۔ اس کی وجہ بھی بتلائی ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ باہمی عداوت اور بغض فروغ پاتے ہیں اور انسان اپنے حاکم اعلیٰ کی فرمانبرداری سے غافل ہو جاتا ہے۔ فرمایا ہے:

یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر ..... رجس	اے ایمان والو شراب اور جوا .... ناپاک اور
من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون	شیطانی کام ہیں۔ تم ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔
انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ	شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے میں تم کو
والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن	پھنسا کر تمہارے درمیان عداوت اور نفرت ڈالے اور تم
ذکر الله وعن الصلوٰۃ فهل انتم منتهون	کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم رکنے والے ہو؟

قرآن کریم نے ان جرائم کی سزا مقرر نہیں کی ہے اور اس کو اسلامی حکومت کے صوابدید پر چھوڑ دیا ہے تاکہ وقت کے تقاضے کے مطابق مجرموں کو سزا دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کے عہد میں شراب خوروں کو درے کی سزا بھی دی گئی اور قید بھی کیا گیا۔

اسلامی حکومت کا اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں یہ بھی فرض ہے کہ دیکھے کہ لوگ ناپ تول میں تو کمی نہیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے قرآن نے شدید وعید دی ہے اور اسے فتنہ و فساد کا ایک سبب بتلایا ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اوفوا المکیال والمیزان بالقسط ولا	اے میری قوم ناپ و تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔

تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین - اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

کم تولنے والوں کے لیے خرابی اور بربادی کی خبر سنائی ہے۔ ویل للمطففین فرمایا ہے۔ اس جرم کی سزا بھی حکومت وقت پر چھوڑ دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ خیانت سے باز رکھنا بھی اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ قرآن کریم نے امانت کی واپسی کے لیے صریح حکم دیا ہے۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الیٰ اھلھا (اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا دو) خیانت کرنے والوں کو شدید ترین عذاب کی دھمکی دی ہے۔ ان کو خدا کی دوستی سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ اس جرم کی سزا بھی قرآن حکیم نے نہیں بتلائی۔

۴۔ قانون کی حفاظت۔ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ایک فرض یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے تسلیم کیے ہوئے قوانین کی پابندی کرے اور کاروبار مملکت کو اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق چلائے۔ فرمایا ہے کہ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون (جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق حکم رانی نہیں کرتے وہ لوگ بدکار ہیں) اولئک ھم الکافرون اور اولئک ھم الظالمون بھی فرمایا ہے۔ اس لیے خلیفہ پر اسلامی قوانین کی حفاظت فرض ہے کہ ان کے مطابق خصومات کا فیصلہ کرے اور ان ہی کی روشنی میں امور مملکت کو انجام دے۔

یہاں اسلامی قانون کے متعلق کچھ وضاحت ضروری ہے۔ ان قوانین کا اولین اور اہم ترین ماخذ قرآن کریم ہے۔ لیکن ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق قرآن حکیم کوئی حکم نہ دیتا ہو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل قانون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید نے خود بارہا اطاعت رسول کے وجوب پر زور دیا ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے علاوہ ایسی بے شمار آیتیں ملتی ہیں جن سے رسول اللہ صلعم کے قول و فعل کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے اور جن کی تعمیل مسلمانوں پر ضروری قرار دی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا ہے ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (رسول کریم صلعم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ وحی ہے) یا اس سے بھی زیادہ واضح آیت یہ ہے۔ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا (جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ) ایک اور موقعہ پر اللہ سے محبت کے لیے رسول کی محبت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے رسول کی محبت صرف زبانی

جمع خرچ نہیں ہے بلکہ ان کے اقوال و افعال کی اتباع و تقلید ہے۔ احادیث کو اسلامی قوانین کا ماخذ سمجھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ قانون سازی کے وسیع میدان کھل جاتے ہیں۔ اور نہ صرف قوانین کا علم حاصل ہوتا ہے بلکہ جس نہج پر اسلامی قوانین وضع کئے جانے چاہئیں اس سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے جن میں قیاس و اجتہاد خاص طور پر شامل ہیں جن کے عملی نمونے تک احادیث کے ذریعہ رسائی حاصل ہوتی ہے۔ پھر آپؐ کے قول کے تحت کہ لن یجتمع امتی علی الضلالۃ (میری اُمّت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی) اور ید اللہ علی الجماعۃ (جماعت کو اللہ کی حمایت حاصل ہوتی ہے) اجماع امت بھی بطور قانون سازی کے ایک ذریعہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اس طرح اسلامی قوانین کے چار ماخذ ہیں کتاب اللہ، احادیث، اجماع اور قیاس۔

اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ شریعت کے قوانین کی تبلیغ کی جائے۔ جو لوگ اسلامی دستور حیات پر یقین نہیں رکھتے ان کو اس کے قبول کر لینے کی ترغیب دی جائے لیکن جبر و اکراہ کے ذریعہ نہیں بلکہ اس کی حقانیت اور صداقت کی وضاحت کے ذریعہ۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خلفاء اور عمال حکومت اسلامی شعائر کے نمونہ بن جائیں اور دیکھنے والوں کے لیے اسلام کا جیتا جاگتا مجسمہ ہوں۔ اور جو لوگ مومن ہیں ان کو بھی اسلامی شریعت کی تعلیم دینا اور اسلامی قوانین سے واقف کرانا بھی اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہی مفہوم ہے۔

۵۔ **کفر کا انسداد**۔ ایسے باغی جو حدود مملکت کے اندر رہتے ہوں ان کے ساتھ اسلامی حکومت کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے اس سے قیام امن اور اصلاح معاشرہ کے تحت تفصیلی بحث ہو چکی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسے لوگ جو حدود حکومت سے باہر رہتے ہیں اور اسلامی حکومت کو نقصان پہنچانے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ان کے متعلق قرآن کریم مملکت اسلامیہ کے سربراہ کو کیا ہدایت دیتا ہے۔ ایسی جنگ کو قرآن حکیم نے جہاد کا نام دیا ہے۔ جہاد کی فرضیت بتلاتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔	تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے خواہ وہ تمہارے لیے بار خاطر ہی ہو۔ ممکن ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

کفار کے ساتھ جہاد ہر حالت میں فرض نہیں۔ قرآن مجید نے اس چیز کو بالتصریح بیان کیا ہے کہ جو کافر اسلامی حکومت سے جنگ نہ کریں ان سے اسلامی حکومت کو نبرد آزما ہونا جائز نہیں۔

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلاً۔

اگر کفار تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے جنگ کرنے کا راستہ نہیں دیا ہے۔

مندرجہ ذیل حالات میں جہاد کا اعلان کر دینا از روئے قرآن اسلامی حکومت پر فرض ہو جاتا ہے:

۱۔ اول جب کہ کفار خود جنگ کا آغاز کریں اور اسلامی مملکت پر دھاوا بول دیں۔ لیکن ایسی صورت میں بھی اسلامی حکومت کے لیے کافروں پر ناجائز زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے

قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔

اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور جنگ کرنے میں زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ حدود سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

۲۔ جن کافروں سے اسلامی حکومت کا عہد ہو اور وہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کریں تو ان سے جنگ کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے:

وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر۔ انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون۔ الا تقاتلون قوماً نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدءوکم اول مرۃ۔

اگر کفار اپنے عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو ان کفر کے پیشواؤں کو قتل کرو بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں۔ شاید وہ باز رہیں کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کے نکالنے کا قصد کیا۔

ایک اور موقعہ پر اور بھی وضاحت سے ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

الذین عاھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون۔

وہ لوگ جن سے آپ نے عہد کیا ہے پھر وہ ہر دفعہ اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور ان کو خوف خدا بالکل نہیں ہے۔

۳۔ جہاد کی فرضیت کی ایک اور صورت ہے جبکہ کفار کے ملک میں مسلمانوں کے بچے اور ان کی عورتیں ہوں اور کفار نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ہو۔ فرمایا ہے:

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ و

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے اور

المستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنك وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا۔

حالت یہ ہو گئی ہے کہ کمزور مرد، عورتیں اور بچے ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کسی کو مددگار بنا۔

۴۔ کفار کے حملے کا خوف ہو تو بھی ان پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فقاتل في سبيل الله لا تكلف الا نفسك وحرض المومنين عسى الله ان يكف باس الذين كفروا

پس اللہ کی راہ میں جنگ کیجئے آپ کو صرف آپ کی جان ہی کی تکلیف دی جاتی ہے اور مسلمانوں کو جہاد کے لیے آمادہ کیجئے۔ امید ہے کہ اللہ کافروں کے خوف کو روک دے

۵۔ کفار جب مسلمانوں کو ان کے دین بدلنے پر مجبور کریں یا دینی امور کی انجام دہی میں رکاوٹیں پیدا کریں تو ایسی صورت میں بھی جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ فرمایا ہے۔ ولا تطع الكفرين وجاهدهم به جهادا كبيرا (آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور اس (قرآن) کے ساتھ ان سے زبردست جنگ کریں)

جنگ شروع کرنے سے پہلے جہاد کی تیاری کرنا، اسلحات جنگ کی فراہمی، فوجیوں کو تربیت دینا بھی اسلامی حکومت کے فرائض ہیں۔ فرمایا ہے:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم واخرين من دونهم۔

اور جہاں تک تم سے ہو سکے ان کے لیے قوت تیار رکھو اور گھوڑوں کو باندھے رکھو اس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو گے ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی۔

اور جب جنگ چھڑ جائے تو نہایت ثباتِ قدمی کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ اذا لقيتم فئة فاثبتوا (جب تم کفار کی جماعت کے مقابلے پر ہو تو ڈٹے رہو) میدانِ جنگ سے بھاگنے کی شدت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے۔ اذا لقيتم الذين كفروا زحفا فلا تولوهم الادبار (جب تم گھمسان لڑائی میں کافروں کے مقابل ہو تو ان کو پیٹھ نہ دکھاؤ) البتہ دو صورتوں میں میدان سے بھاگنے کی اجازت ہے۔ اول جنگی ہتھکنڈے کے طور پر دشمن کو فریب

دینے کے لیے بھاگ رہا ہو دوم کوئی یکا اور تنہا آدمی لڑتے لڑتے اپنے ساتھیوں سے دور نکل گیا ہو تو وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آسکتا ہے۔ (سورۂ انفال آیت ۱۶) البتہ اگر دشمنوں کی فوج دگنی سے زیادہ ہو تو جنگ سے پہلوتہی کرنے میں مضائقہ نہیں ہے (سورۂ انفال آیت ۶۶) حرمت کے مہینوں میں اصولی طور پر جنگ جائز نہیں ہے لیکن اگر کفار جنگ شروع کریں تو اپنی مدافعت میں جنگ کرنی ضروری ہے۔

جنگ میں خونریزی کے بعد جو لوگ قید ہو جائیں تو اسلامی حکومت کو اختیار ہے کہ چاہے زر فدیہ لے کر ان کو رہا کر دے اور چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے آزاد کر دے۔ قرآنی الفاظ یہ ہیں:

حتیٰ اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما	یہاں تک جب تم خوب خونریزی کر لو تو ان کو قیدی بنا لو
منا بعد و اما فداء	پھر اس کے بعد احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر رہا کر دو۔

مال غنیمت کو قرآن مجید 'الانفال' کہتا ہے جس کے لفظی معنی ہیں ایک زیادہ چیز۔ جس سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جہاد سے مقصود مال غنیمت نہیں ہے بلکہ مال غنیمت ایک زائد چیز ہے جو جنگ میں مقصود و مطلوب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب غزوۂ بدر کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم کا موقع آیا تو فرمایا کہ قل الانفال للہ والرسول (اے رسول فرما دیجئے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے) آگے چل کر اس کی تقسیم اس طرح بتلائی ہے کہ:

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ	جان لو کہ جو چیز تم کو جنگ میں ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ
خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی	کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے،
والمسکین وابن السبیل۔	یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لیے

گویا کہ مال غنیمت کا ۴/۵ حصہ افواج میں تقسیم ہوگا اور باقی ماندہ ۱/۵ رسول اللہ صلعم کی ذات اور آپؐ کے اعزا پر صرف ہوگا اور اسی کے ذریعہ یتیموں، غریبوں اور مسافروں کی دستگیری کی جائے گی۔

عوام کے فرائض

یہ تو حکمران کے فرائض تھے لیکن ان میں سے اکثر کی تعمیل عوام پر بھی فرض ہے کیونکہ تمام انسانوں کو وسیع معنوں میں خلافت ارضی سپرد ہوئی ہے اسی لیے ان میں سے ہر ہر شخص سے الگ الگ اور بہ حیثیت ایک جماعت کے بھی ان فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ تاہم چند فرائض ایسے بھی ہیں جو محض عوام ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان میں سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ عوام خلیفہ کی اطاعت کریں اور اس کے جائز حکم سے سرتابی نہ کریں۔ قرآن مجید میں متعدد بار۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم آیا ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کا بھی حکم مانو جو تم میں سے حکمراں ہوں۔

عوام پر دوسرا فرض یہ ہے کہ باہمی اتحاد کے ساتھ زندگی بسر کریں اور امن و امان قائم رکھیں باہمی جھگڑوں کے ذریعہ قومی مفاد کو نقصان نہ پہنچائیں کیونکہ ایسا کرنے سے ان کی قوت کمزور ہو جائے گی۔ عوام کو تنبیہہ کی جاتی ہے۔ لا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم (آپس میں نہ جھگڑو تاکہ تم کمزور نہ پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا نہ اکھڑ جائے) قرآنی احکامات کو بتلایا گیا ہے کہ ان کی پابندی کے ذریعہ حقیقی معنوں میں اتحاد پیدا ہو سکتا ہے فرمایا ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (اللہ کی رسی کو خوب مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو آپس میں تفرقہ نہ ڈالو)

ان تاکیدوں کے باوجود اگر نزاع ہو جائے تو عوام کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ، خلیفہ یا اس کے عمال کی طرف رجوع کریں اور قانون کو ہاتھ میں نہ لیں۔ الفاظ قرآنی یہ ہیں:

فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر۔

اگر تم کسی معاملہ میں آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

عوام پر اقتدار اعلیٰ کی جانب سے ایک اور فرض عائد کیا گیا ہے وہ یہ کہ عوام اجتماعی اور مملکتی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دیں۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں متعدد آیات ملتی ہیں لیکن سب سے زیادہ واضح سورۂ توبہ کی یہ آیت ہے:

قل ان کان اباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال نِ اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔ واللہ لا یھدی القوم الفسقین۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ، بیٹا بیٹی، بھائی بہن، تمہاری بیویاں، تمہارے اہل خاندان، تمہارے مال و اسباب جسے تم نے جمع کر رکھا ہے اور تجارت جس کی کساد بازاری کا تم کو اندیشہ ہے اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ تمہیں عزیز ہیں تو تم انتظار کرو اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ

فاسق قوم کی ہدایت نہیں کیا کرتا۔

اس آیت سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ خویش پروری اور اقربا نوازی اسلامی حکومت میں بدترین جرم ہے اور اس کے ارتکاب کرنے والوں کو فاسق کہا گیا ہے اور ان کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی ایسی قوم کے بارے میں حکم نافذ کر دے گا۔ ایک اور بات اشارۃً اس آیت میں بیان ہوئی ہے کہ جس قوم کے افراد ملی مفاد کی خاطر اپنے ذاتی فائدوں کو قربان نہیں کرتے ایسی قوم زیادہ عرصہ تک برسر اقتدار نہیں رہ سکتی۔ اس کے علاوہ قرآن مجید بار بار آگاہ کرتا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں اگر تم اس پر ریجھ گئے تو اس اجرِ عظیم کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جس کا وعدہ تم سے اللہ تعالےٰ نے کیا ہے۔

شوریٰ

قرآن مجید نے خلفاء کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ تمام امور مملکت میں مشورہ لیا کریں۔ مشورے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں "شوریٰ" نام کی ایک سورہ ہے۔ اسلامی حکومت کے پہلے سربراہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ - ان اللہ یحب المتوکلین۔

ان سے معاملات میں مشورہ لیا کیجئے اور جب آپ مشورہ کر لیں تو خدا پر توکل کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس طرح قرآن توکل علی اللہ سے قبل معاملات میں مشورہ لینے پر زور دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں بغیر رائے و مشورہ کے توکل علی اللہ نامکمل رہتا ہے۔

اخروی نعمتوں کے مستحقین کی صفات قرآن مجید گنواتا ہے ان میں ایمان اور توکل وغیرہ کے علاوہ ایک اہم صفت یہ بیان کی گئی ہے۔ امرھم شوریٰ بینھم۔ یعنی وہ لوگ جن کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ کرنا عمدہ اخلاق میں ایک اہم خلق ہے اور وہ نہ صرف دنیاوی کامیابی کی کنجی ہے بلکہ اخروی فلاح و بہبود کا دارومدار بھی بہت حد تک اسی پر ہے۔

مشورہ کے سلسلے میں مشیرانِ حکومت اور عوام کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے اس کی طرف قرآن کریم نے نہایت لطیف اشارہ کیا ہے۔ مشیروں پر قول معروف (عمدہ مشورہ اور صائب رائے)

ضروری قرار دیا گیا اور دوسرے دن پر اس مشورہ کے بعد جو فیصلہ اخذ کیا جائے اس پر عمل کرنا واجب کر دیا گیا ہے اسی چیز کو طاعۃ و قول معروف کے نعبیر ظاہر کیا گیا ہے۔

شوریٰ کے سلسلے میں اس امر کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ خلیفہ کو لازمی طور پر اکثریت کی بات ماننا ضروری نہیں ہے بلکہ اسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو مختلف رایوں میں سے کسی ایک کو قبول کرے خواہ اس کے حامیوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو یا اگر وہ مناسب سمجھے تو کوئی راہ متعین کر لے۔ اکثریت کی رائے کا حکمران کو پابند کر دینے سے جوڑ توڑ کے دروازے کھل جاتے ہیں پارٹی بازی اور گروہ بندی عام ہو جاتی ہے پھر اکثر دانشور دانا آدمی اقلیت میں ہونے کے باعث اظہار رائے سے احتراز کرتے ہیں۔ اکثریت کی رائے کی لازمی طور پر پابندی نہ کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ میں دیا گیا ہے :

ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ (اگر آپ اکثریت ہی کی بات کو مانیں گے تو وہ لوگ آپ کو راہ راست سے بھٹکا دیں گے)۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث (فرما دیجئے کہ نیک و بد مساوی نہیں ہوتے خواہ آپ کو بروں کی کثرت تعداد متحیر کر دے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت میں مشورہ کے بعد خلیفہ کو تنسیخ کے وسیع اختیارات دیئے گئے ہیں۔ شوریٰ کے سلسلے میں ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ مشورہ کرنے کا حکم صرف اسی صورت میں دیا گیا ہے جب کہ اسلامی قوانین اس معاملے میں موجود نہ ہوں۔ واضح قوانین کی موجودگی میں مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مذہب و سیاست

قرآن مجید کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے پہلی بار دنیا کو صحیح معنوں میں یہ بتلایا کہ مذہب و سیاست جدا نہ ہونے والی چیزیں ہیں۔ حتیٰ کہ یہودیوں میں بھی دین و سیاست کی علاحدگی مسلم تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام ہی کی موجودگی میں بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ وہ جنگ کرنے کے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیں۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ (یہود نے اپنے ایک نبی سے کہا ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دو جس کے ساتھ ہم مل کر خدا کی راہ میں جنگ کر سکیں)۔ اس طرح یہودیوں میں نبوت اور بادشاہت

جدا منصب تھے۔ عیسائیت نے بھی اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ ان میں بھی قیصر اور کلیسا کے دو علاحدہ علاحدہ ادارے باقاعدہ طور پر تسلیم کئے گئے ہیں۔ لیکن اسلام میں دین اور دنیا، مذہب اور سیاست لازم و ملزوم قرار دیئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کو جس دعا کی تلقین کی گئی ہے وہ یہ ہے۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ۔ گویا کہ کامیاب زندگی کا انحصار دنیوی اور اخروی فلاح و بہبود پر ہے۔ اس کے علاوہ اسلام میں دیگر مذاہب کی طرح ترکِ دنیا کو مستحسن نہیں سمجھا گیا۔ اہل کتاب کے متعلق فرمایا کہ رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم و ما رعوھا حق رعایتھا۔ (ان لوگوں نے اپنی طرف سے رہبانیت کو رائج کیا۔ حالانکہ ہم نے انہیں اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے رہبانیت کے حقوق کی پاسداری نہیں کی) قرآن مجید میں محسنین کے ثواب کا جہاں بھی ذکر آیا ہے اکثر دنیا اور آخرت دونوں جگہ کے ثوابوں کے دیئے جانے کو بیان کیا گیا ہے مثلاً فاتھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاخرۃ (اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا عمدہ ثواب عطا کیا) اسی طرح بدکاروں کو جہاں کہیں وعید دی گئی ہے دونوں جگہ کے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم (ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں زبردست عذاب ہے) مومنین و صالحین سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو روئے زمین کا حاکم بنا دیا جائے گا۔

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت
لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف
الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم
الذی ارتضٰی لھم

اللہ تعالیٰ نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین میں حاکم بنا دے گا جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے اور ان کے لیے اس دین کو جما دے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے

اس لیے ایمان و عمل صالح کا براہ راست تعلق ملک و سیاست سے ہے۔ پھر جو لوگ حکومت کے مالک بن جائیں تو ان کا فرض یہ بتلایا گیا ہے کہ مذہبی امور کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے رہیں اور دوسروں کو بھی نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی ترغیب دیں:

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا
الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ امروا بالمعروف
ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ

(اللہ کے نیک بندے ایسے ہوتے ہیں) جو کہ اگر ہم ان کو زمین میں جما دیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور ہر کام کا انجام اللہ

الامور۔ کے ہاتھ میں ہے۔

اسی طرح سے عوام کے فرائض میں اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کو داخل کیا گیا تو حکام کی اطاعت بھی ان پر لازمی قرار دی گئی۔ ارباب حل وعقد اور عوام دونوں کے لیے سیاسی اور مذہبی امور کی پابندی ضروری بتلائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ عائلی زندگی میں نکاح، طلاق، خلع اور ایلا وغیرہ کے متعلق احکامات نیز لین دین اور دیگر معاملات کے بارے میں ہدایات سے بھی اس چیز کی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلام میں دین اور دنیا اگر ایک ہی چیز کے دو نام نہیں ہیں تو کم از کم وہ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں کئے جا سکتے۔

قرآنی حکومت کی نوعیت

مذکورہ بالا تفاصیل سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قرآنی حکومت میں حاکم اعلیٰ صرف خداوند بزرگ و برتر کی ذات ہے۔ اسی کو قانون سازی کے اختیارات ہیں البتہ انسانوں کو خدا کے نائب ہونے کی حیثیت سے مملکت کے نظم ونسق میں دخل حاصل ہے۔ لیکن صرف اس حد تک کہ اللہ کے بتلائے ہوئے قوانین کی پابندی کی جائے اور اس کے احکامات سے روگردانی نہ ہو۔ ایسی مملکت کے دائرۂ عمل میں دینی و دنیوی امور دونوں شامل ہیں۔ لیکن اس کو اشتراکی حکومت کی نہج کا سمجھنا شدید غلطی ہے کیونکہ اسلامی حکومت میں افراد کو ملت میں مدغم کرنے اور ہمہ گیر حکومت کے قیام کے باوجود شخصی آزادی بحال رکھی گئی ہے۔ یہ مغربی طرز کی جمہوری حکومتوں سے بھی حائل نہیں رکھتی کیونکہ اس میں عوام کی حاکمیت تسلیم کی جاتی ہے اور انہیں کو قانون سازی کے اختیارات سونپے جاتے ہیں۔ اسلامی نظام اس طرز کا شدید مخالف ہے۔ اسی طرح ہم اس کو دینی حکومت نہیں کہہ سکتے کیونکہ جدید اصطلاح میں دینی حکومت میں ایک مخصوص مذہبی طبقے کی حاکمیت ہوتی ہے اور وہ مذہب اور خدا کے نام پر اپنے وضع کردہ قوانین دوسروں پر مسلط کرتا رہتا ہے۔ بہت حد تک اسلامی حکومت جمہوری اور دینی حکومتوں کی عمدہ خصوصیات کی حامل ہے اس کو بقول مولانا مودودی کے "الٰہی جمہوری حکومت" (THEO-DEMOCRACY) کہنا بجا ہوگا۔ جس میں نہ تو کسی فرد یا طبقہ کو کسی قسم کی ترجیح حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی کسی طرح کی رکاوٹ ڈالی جاتی ہے۔ ہر عاقل و بالغ شخص بشرطیکہ اسلامی اصولوں کو مانتا ہو حکومت کے معاملات میں دخل دینے کا مستحق ہے۔ البتہ حکومت کے کاروبار کو بطور امانت کسی ایک شخص کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو خلیفہ یا امام کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور اس کا انتخاب

بھی کسی خاص خاندان یا قبیلہ تک محدود نہیں کیا جانا چاہیئے ۔ سب سے بڑی صفت جس کا اسے حامل ہونا چاہیئے وہ تقویٰ ہے ۔ اسی کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارا کیا ہے ۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (تم میں شریف ترین آدمی وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو) تقویٰ کے علاوہ خلیفہ میں قوت و طاقت، علم و حکمت کی صفات بھی پائی جانی چاہیئے ۔ بنی اسرائیل نے طالوت کے حکمران بنائے جانے پر اعتراض کیا کہ اسے حسب و نسب کے لحاظ سے ہم پر کسی قسم کی فوقیت حاصل نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے طالوت کی دو خوبیاں ۔ بسطۃ فی العلم والجسم (علمی اور جسمانی وسعت) بتلا کر اسے حکومت کا مستحق بتلایا ۔ اس طرح اسلامی حکومت میں خلیفہ کا کسی خاص قوم یا خاندان سے ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ علمیت اور شجاعت میں اعلیٰ حیثیت کا مالک ہونا لازمی ہے ۔ اہل عرب کے خاص ذہنی رجحانات کے پیش نظر ابتداءً خلافت کو خاندان قریش تک محدود رکھا گیا ۔ یہ طریقہ آگے چل کر روایت بن گیا ۔ ورنہ وقتی مصلحت کے سوا اس کا کوئی جواز نہیں ہے ۔

معاشیات

آج کل کی سیاسیات میں معاشی نظام کو بہت بڑا دخل حاصل ہے ۔ معاشی نظریات کے اختلافات ہی کے باعث آج دنیا دو بلاکوں میں منقسم ہے ۔ ایک نے دولت جمع کرنے پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زیادہ دولت جمع کرنے کی دھن میں جائز اور ناجائز میں بھی تمیز نہیں کی جاتی ہے ۔ امیر طبقہ امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا ہے ۔ غریب فقر و فاقہ کا شکار ہو رہے ہیں ۔ دوسرے بلاک میں انفرادی ملکیت کو سرے ہی سے ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔ اس نے بھی شکم پروری کو مقصد حیات بنا لیا ہے ۔ اخلاقیات و روحانیات سے اسے کسی قسم کا کوئی لگاؤ نہیں ہے ۔ پھر انفرادی ملکیت پر سخت پابندی عائد ہونے کی وجہ سے جذبۂ کارکردگی بری طرح متاثر ہوا ہے ۔ افراد مقابلہ نہ ہونے کی وجہ سے کسب معاش میں جدوجہد کرنے سے جی چراتے ہیں ۔ قرآن مجید نے سرمایہ داری اور اشتراکیت کے بین بین ایک راستہ تجویز کیا ہے ۔ جو دونوں کی برائیوں سے پاک ہے ۔

قرآن مجید نے جو معاشی نظریہ پیش کیا ہے اس کی رو سے رزق کا کفیل خدائے بزرگ و برتر ہے ۔ انسانی عقل و تدبیر اور اس کی سعی و کوشش کو براہ راست اس میں دخل حاصل نہیں ہے ۔ بارہا یہ آیت قرآن میں آئی ہے یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر ۔ (وہ

اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے) ایک اور موقعہ پر فرمایا۔ ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین (اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا بڑی قوت والا ہے) اس کی رزاقیت صرف انسانوں تک محدود نہیں بلکہ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (زمین پر چلنے والی کوئی مخلوق نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) اس کی شان بے نیازی اس طرح بتلائی گئی ہے۔ وھو یُطعِمُ ولا یُطعَمُ (وہ دوسروں کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا)

قرآن مجید کی رو سے معاشی مساوات ایک غیر فطری چیز ہے وہ خود فرماتا ہے نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات (دنیاوی زندگی میں ہم نے لوگوں کے وسائل معاش تقسیم کر دیئے ہیں اور ایک کو دوسرے پر فوقیت عطا کی ہے) معاشی بدحالی کی وجہ تقسیم زر میں مساوات یا عدم مساوات نہیں ہے بلکہ دولت کا گردش نہ کرنا ہے اگر گردش دولت باقاعدگی کے ساتھ ہو تو تقسیم زر چنداں اثر انداز نہیں ہوتی۔ قرآن کریم نے گردش زر میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے ان تمام اسباب کی بیخ کنی کی ہے جس کی وجہ سے گردش میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ بخل، اسراف اور بغیر محنت کئے ناجائز طریق پر زر اندوزی خاص رکاوٹیں ہیں۔

بخل کی وجہ سے دولت ایک جگہ جمع ہو کر رہ جاتی ہے ایک طبقہ سرمایہ دار اور دوسرا مفلس و قلاش بن جاتا ہے۔ قرآن مجید نے بخل کی شدید مذمت کی ہے اور بخل کی اصلی جڑ حب مال کے خاتمہ کی طرف توجہ کی ہے۔ وتحبون المال حبا جما (تم مال سے بڑی محبت رکھتے ہو) انسان کی ناشکری کا سبب بھی حب مال کو قرار دیا گیا ہے۔ وانہ لحب الخیر لشدید (کیونکہ انسان مال کی محبت میں بہت سخت ہے) ایسے لوگوں کی تباہی و بربادی کی خبر دی گئی ہے جنہوں نے جمع مال کو اپنا مقصد حیات بنا رکھا ہے جس کے باعث غیبت، عیب جوئی اور طعنہ زنی جیسی کج خلقیوں کے وہ شکار ہو گئے ہیں۔ فرمایا ہے۔ ویلٌ لکل ھمزۃ لمزۃ الذی جمع مالا وعددہ (بخیل یہ سمجھتا ہے کہ اس کا جمع کردہ مال اسے تباہی و بربادی سے بچالے گا۔ ما یغنی عنہ مالہ اذا تردی (جب ہلاکت آئے گی تو اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا) بخل کے متعلق بتلایا کہ جو لوگ اسے اپنے حق میں مفید خیال کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ ولا تحسبن الذین یبخلون بما اٰتٰھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم بل ھو شر لھم (جو لوگ اس مال میں سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے بخل کرتے ہیں

اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ مال ان کے حق میں بہتر ہوگا بلکہ ان کے حق میں بدتر ہوگا بخیلوں کا شمار کفار میں کیا گیا ہے اور انہیں اہانت آمیز عذاب کی دھمکی دی گئی ہے فرمایا ہے:

الذین یبخلون ویأمرون الناس بالبخل ویکتمون ما اٰتٰھم اللہ من فضلہ واعتدنا للکٰفرین عذابا مھینا۔

جو لوگ خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دے رکھا ہے اس کو چھپاتے ہیں یاد رکھو کہ ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر زراندوزی کرنے والوں کو ان الفاظ میں وعید سنائی گئی ہے:

الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔ جس دن اس سونا چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور ان کے پیٹوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا۔

بخل کی طرح اسراف و فضول خرچی بھی گردش دولت پر خراب اثر ڈالتی ہے۔ معاشی توازن کے بگاڑنے میں وہ کسی حالت میں بخیلی سے پیچھے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں مسلمانوں کو بخل سے منع کیا ہے وہاں فضول خرچی سے بھی ان کو باز رکھا ہے۔ فرمایا ہے:

کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔

کھاؤ پیو اور فضول خرچی سے کام نہ لو اللہ فضول خرچوں کو پسند نہیں کرتا۔

ایک اور موقع پر جہاں عزیز و اقارب کی مالی امداد کی تاکید کی ہے فضول خرچی کرنے سے اس طرح منع فرمایا ہے:

اٰت ذا القربٰی حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا۔

رشتہ داروں، غریبوں، اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو۔

ایک جگہ مسرفین کو شیطانوں کا بھائی بتلایا گیا ہے۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین

قرآن مجید نے نہایت واضح الفاظ میں درمیانہ روی اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔ لا تجعل یدک

مغلولة إلى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا (اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ ہی اسے بالکل ہی کھول دو ورنہ ملامت کئے جاؤ گے اور بیٹھے ہوئے پچھتاؤ گے) نیک بندوں کی تعریف اس طرح کی ہے۔ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما (اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ بخل اور فضول خرچی کے درمیان رویہ رکھتے ہیں)

بغیر محنت و مشقت کے دولت کمانے کا رجحان بھی اقتصادی توازن کو درہم برہم کر دیتا ہے اس میں سودی لین دین سب سے زیادہ اہم ہے۔ سود اور تجارت میں یہی فرق ہے کہ ایک میں محنت و مشقت ہوتی ہے تو دوسرے میں صرف دولت کے بل بوتے پر روپیہ کمایا جاتا ہے قرآن کریم میں ہے احل اللہ البیع وحرم الربوا (اللہ تعالیٰ نے تجارت کو تو حلال کیا ہے لیکن سود کو حرام قرار دیا ہے) سود خوروں کے متعلق ہے کہ وہ قیامت کے دن حواس باختہ ہوں گے:

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطٰن من المس ذلک بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا۔

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جس طرح کسی کو شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ بیع سود ہی کی طرح تو ہوتی ہے۔

سود خوروں کو اللہ کی طرف سے جنگ کا چیلنج دیا گیا ہے فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسوله (اگر تم سود سے باز نہ آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تم کو آگاہ کیا جاتا ہے) رشوت، چور بازاری اور اسی قسم کے دیگر ناجائز ذرائع آمدنی بھی معاشرے کے اقتصادی نظام کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اسی چیز سے منع فرمایا ہے۔ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل حتی تکون تجارة عن تراض منکم (ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طور پر نہ کھایا کرو جب تک کہ باہمی رضامندی سے تجارت نہ ہو رہی ہو) یہودیوں کے متعلق فرمایا گیا۔ اکّٰلون للسحت (وہ حرام چیزوں کے بہت زیادہ کھانے والے ہیں) یتیموں کے مال کو ہڑپ کرنے والوں کی مثال یہ دی گئی ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں (سورۂ نساء) اسی طرح امانت کی ادائیگی کا حکم دیا گیا اور خیانت سے احتراز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ وضاحت کے ساتھ بتلا دیا گیا ہے کہ فی الحقیقت انسان انہیں چیزوں کا حقدار ہے جن کے لیے وہ جدوجہد کرے۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ یہ تو ہوئیں گردش زر پر اخلاقی پابندیاں۔ قرآن نے ان ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس کے لیے

قانون سے بھی مدد لی گئی ہے۔ ان میں زکوٰۃ سب سے زیادہ اہم ہے۔ زکوٰۃ کے عائد کرنے کا مقصد قرآن حکیم نے خود بتلایا ہے۔ کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء تاکہ دولت مالداروں ہی میں گردش نہ کرتی رہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت بے شمار آیتوں کے ذریعہ ثابت ہے۔ صریحی حکم کے علاہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی تعریف و توصیف میں بھی بہت سی آیتیں ملتی ہیں۔ زکوٰۃ کا فائدہ یہ بتلایا ہے کہ زکوٰۃ دینے کی وجہ سے معاشرہ خوش حال ہو جاتا ہے اور دینے والے پر بھی اس معاشرہ کے ایک فرد کی حیثیت سے اثر پڑتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن نے بڑے لطیف انداز میں اشارہ کیا ہے کہ:

وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون۔ جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ اپنے مال کو دگنا کرنے والے ہیں۔

زکوٰۃ کے ذریعہ اقتصادی نظام کی اصلاح ہوتی ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم۔ (آپ مسلمانوں کے مال میں سے صدقات وصول کریں اور ان کو پاک و صاف بنا دیں)

قرآن مجید نے زکوٰۃ کی شرح اور نہ ہی نصاب پر کوئی روشنی ڈالی ہے۔ غالباً اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ شرح کا تعین اور مال کی کم از کم مقدار جس پر زکوٰۃ واجب الادا ہے اس کا تقرر اسلامی حکومت کے حیطۂ اختیار میں دیدیا گیا ہے البتہ احادیث میں جو شرح بتلائی گئی ہے وہ کم از کم شرح ہے جس سے کم کرنے کا حق اسلامی حکومت کو حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم تمام فاضل رقم کو خرچ کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنی رقم خرچ کریں کہدیجئے کہ جو کچھ تمہارے اخراجات سے بڑھ جائے)

زکوٰۃ کے علاوہ میراث کو بھی گردش ثروت کا ایک قانونی ذریعہ بنایا گیا ہے۔ قرآنی قانون وراثت کی رو سے بیٹا اور بیٹی کے علاوہ میاں بیوی، بھائی بہن اور دیگر عزیز دار بھی ترکہ کے حقدار ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ان تمام پابندیوں کے باوجود کوئی شخص دولت سمیٹ کر بیٹھ بھی جائے تو اس کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کی تمام دولت و جائداد متعدد لوگوں میں تقسیم ہو جائے۔ اس طرح ایک عارضی رکاوٹ کے بعد دولت پھر گردش میں آجائے گی۔

اس طرح قرآن کے معاشی نظام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اشتراکیت کے برعکس انفرادی ملکیت پر کسی قسم کی پابندی تو عائد نہیں کی گئی تاکہ ہر شخص اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر سرگرم عمل رہے لیکن بہت سی اخلاقی اور قانونی پابندیاں عائد کر کے سرمایہ داری کی تمام خرابیوں کا خاتمہ کر دیا۔